معتزلہ کے ظہور، اصول خمسہ اور مرتکب کبیرہ کے بارے میں علمی بحث

(Emergence of *Mu'tazila*, their five Tenets and View on the fate of a Believing Sinner)

محمد شعیب[☆]

محمد عالم[☆☆]

Abstract:

There has always been significant scope for diversity of opinion and disagreement in Islam. It was observed among companions of the Prophet, even when the Prophet Muhammad (S.A.W) was living .With the passage of time variety of views gave birth to several theological groups, including *Mu'tazila* (the Separatists). They came to be so called on account of their separation (*i'tizāl*) from the truth, or because of their separation from the generally accepted doctrines (*aqāwīl*) of the main stream Muslims'. This article briefly presents the history of *Mu'tazila* and their five principles, i.e. *al-tawḥīd* (divine unity), *al-'adl* (divine justice), *al-wa'd wa 'l-wa'īd* (promise and threat*)*, *al-manzilah bayn al-manzilatayn* (the intermediate position) and *al-amr bi 'l-ma'rūf wa 'l-nahy 'ani l-munkar* (advocating the good and forbidding the evil). The stand of *mu'tazila* regarding the *murtakib* of *al-kabīrah* (the fate of a Muslim sinner) has also been explained at length with the result that the viewpoint of *mu'tazila* in this regard has very shaky foundations.

اسلام فطری اور اجتماعی طور پر زندگی بسر کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اتفاق اور باہمی تعاون کی تعلیم دیتا ہے تاکہ اجتماعی طور پر انسان روئے زمین پر خلافت اور نیابت الٰہی کے فرائض انجام دے سکے۔

اسلام کی مثال دریائی چشموں کی طرح ہے جو ابتداء میں خاموشی اور نرمی کے ساتھ صاف پانی کی شکل میں پھوٹ پڑا تھا۔ نہ تو خارجی عوامل نے اور نہ اندرونی عناصر نے اس میں کدورت پیدا کی اور نہ زمانے کی دست تطاول نے اس کی شفافی کو نقصان پہنچایا تھا۔ مگر جوں جوں وہ دُور پہنچتا گیا تو راستوں میں آبشاروں کے ملنے اور طوفانی موجوں کے پیدا ہونے سے اس کا پاکیزہ اور

* پی ایچ-ڈی سکالر (اسلامیات)، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ اریبک سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی / اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ فیڈرل کالج، پشاور

** اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامیات)، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اینڈ اریبک سٹڈیز، پشاور یونیورسٹی

میٹھا پانی گدلا ہوتا گیا اور اس کے زور وشور اور تندی میں اضافہ ہوتا گیا۔ پھر وہ متفرق ندیوں اور نالیوں میں بٹ گیا، جن میں سے بعض بنجر زمین میں چلا گیا اور بعض زرخیز میں۔ کچھ علاقوں کو سیراب کیا اور کچھ کو اپنے تہہ میں غرق کر دیا۔ اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں کسی قسم کا اختلاف رونما نہیں ہوا تھا۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی بعض ایسے واقعات رونما ہوئے تھے جن سے اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کا مصداق تھا کہ:

تَفَرَّقَتِ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلاَثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً[1]

"یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گی"۔

معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف دراصل انسانی فطرت اور طبیعت کا تقاضا ہے۔ یہ حقیقت قرآن کے اس آیت سے مترشح ہوتی ہے۔

"وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ، إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّکَ وَلِذَٰلِکَ خَلَقَهُمْ"[2]

"اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر وہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ سوائے ان کے جن پر آپ کے پروردگار نے رحم فرمایا ہے اور اسی کے لئے اللہ تعالی نے انہیں پیدا کیا ہے"۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بعض ایسے واقعات اور مشکلات نظر آتے ہیں جن سے اختلاف اور مرکز سے انحراف ظاہر ہوتا ہے۔ اسلام میں سب سے پہلا اختلاف جو نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب غزوہ حنین کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے مال غنیمت میں کچھ عرب اشراف کو ۱۰۰ اونٹ تالیف قلب کے طور پر دیئے تو ذوالخویصرہ نے کہا: یہ انصاف کی تقسیم نہیں ہے اور اس تقسیم سے مقصود اللہ کی رضا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"فَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ رَحِمَ اللَّهُ مُوسَى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هَذَا فَصَبَرَ"[3]

"اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہ کرے تو پھر کون عدل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ان کو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی مگر انہوں نے اس پر صبر کیا"۔

یہ واقعہ آپ ﷺ کے خلاف صریح خروج ہے۔ اگر کوئی شخص امام برحق سے بغاوت کرنے کی وجہ سے خارجی کہلایا جاسکتا ہے تو جس نے نبی کریم ﷺ پر ایسا اعتراض کیا اس کو کس لقب سے پکارا جائے۔ ذوالخویصرہ نے یہ اعتراض اس لئے کیا تھا کہ اس کے نزدیک اشیاء اور امور کے حسن وقبح کا معیار وحی نہیں بلکہ اجتماعی طریقے اور عقل کے تقاضے تھے۔ اور یہی اعتزال ہے[4]

غزوہ احد کے موقع پر منافقوں کے ایک گروہ نے کہا تھا۔ ''لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا''[5] '' اگر ہمیں کوئی اختیار حاصل ہوتا تو یہاں قتل نہ ہوتے''۔ یہ بعینہ قدریہ کا نظریہ ہے کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ **لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا لَكَانَ كَذَا وَكَذَا**[6]

آپ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام مختلف اعتقادی امور کے بارے میں آپس میں مباحثہ کرتے تھے۔ قضاء وقدر، صفات الٰہی، متشابہات کے متعلق استفسار وغیرہ وہ امور ہیں جو عہد نبوی ﷺ میں رونما ہوئے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا تھا:

> ''**أَبِهَذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَنَازَعُوا فِي هَذَا الْأَمْرِ**''[7]
> "کیا مجھے اس لئے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے؟ تم سے پہلے امتیں ان امور میں بحث کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں''۔

صحیحین میں اس قسم کی بہت سی احادیث ملتی ہیں جن کے مطابق صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ سے قضاء وقدر کے متعلق پوچھا ہے۔ مثلاً:

> '' **كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔۔۔ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ**''[8]

> یہ حدیث صحابہ کرام کے اس سوال کا جواب تھا کہ:
> '' **أَفَرَأَيْتَ مَنْ يَمُوتُ وَهُوَ صَغِيرٌ**'' ''آپ ﷺ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو بچپن میں فوت ہوا''۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ**[9] اور **أَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ**[10] میں مشرکین کا یہ قول صراحتاً جبریہ فرقہ کا نظریہ ہے کیونکہ ان کا بھی یہی خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرکانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا ہے۔[11] مرض الموت میں واقعہ قرطاس میں مخالفت، اسامہ بن زیدؓ کے لشکر کی روانگی اور اس قسم کے دوسرے واقعات سیاسی تفرقہ بندی کا نتیجہ نہیں تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے عصبیت کی جڑ کاٹ دی تھی۔ مگر جب یہ عہد زریں گزر گیا اور خلفائے راشدین کے آخری دور میں امویوں اور ہاشمیوں کے درمیان دوبارہ کشمکش شروع ہوئی اور امامت وخلافت کے مسائل نے شدت اختیار کی تو اس وقت مسلمان مختلف سیاسی اور مذہبی جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی دوسری صدی ہجری میں معتزلہ کا ظہور بھی ہے۔

اعتزال کے معنی اور ابتداء

اعتزل یعتزل اعتزال کے معنی کنارہ کشی اور علیحدگی کی ہیں۔ یہود ان لوگوں کو "فروشیم" کہتے تھے جو ان سے علیحدہ ہو کر اسلام قبول کرتے۔ فروشیم کے معنی عبرانی زبان میں کنارہ کشی اور جمہور سے اعتزال کے ہیں۔[12] اسلامی تاریخ میں معتزلہ سے مراد علم کلام کا وہ مدرسہ ہے جس نے عقل و نقل کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کے کفروایمان پر فرقہ وعیدیہ اور مرجئہ کے موقف کے بارے میں واصل بن عطاء [13] نے اپنے استاد حسن بصریؒ [14] کے ساتھ اختلاف کیا اور اس کے حلقہ درس سے اٹھ کر مسجد کے ایک ستون کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اس پر حسن بصریؒ نے کہا: **اعتزل عنا** یعنی یہ شخص ہم سے الگ ہو گیا۔ اس لئے واصل بن عطاء اور اس کے ہم خیالوں کا نام معتزلہ پڑ گیا۔ قاضی عبدالجبار[15] کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی اعتزال کا لفظ آتا ہے۔ اس سے مراد **اعتزال عن الباطل** ہوتا ہے۔ لہٰذا لفظ اعتزال مدح کا نام ہے۔ قاضی کا یہ قول غلط ہے کیونکہ قرآن میں آتا ہے: **وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ**[16] ظاہر ہے کہ یہاں پر اعتزال سے مراد کفر ہے، **اعتزال عن الباطل** نہیں۔[17]

معتزلہ کے پانچ اصول

معتزلہ کے پانچ بنیادی اصول ہیں جن کے ارد گرد ان کی ساری بحث گردش کرتی ہے۔

۱۔ **توحید:** معتزلہ زبردست توحید پرست تھے۔ اس لئے انہوں نے دیدار الٰہی سے انکار کیا کیونکہ ان کے نزدیک اس سے تجسیم[18] (Personification of God) اور جہت (Dimension) لازم آتی ہے۔ کلام اللہ کو اس لئے مخلوق سمجھتے تھے کہ ان کے نزدیک کلام الٰہی صفت نہیں بلکہ علیحدہ چیز ہے۔

۲۔ **عدل:** عدل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فساد نہیں چاہتا اور نہ بندوں کے افعال وعبادات کو پیدا کرتا ہے۔ خدا وہی حکم دیتا ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے اور وہ اس بات سے روکتا ہے جس کو وہ برا سمجھتا ہے۔ وہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

۳۔ **وعدووعید:** معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ وعدہ ووعید قانون عدالت کے مطابق ہو گا۔

۴۔ **المنزلة بين المنزلتين:** مرتکب کبیرہ نہ مسلمان ہے کیونکہ ایمان نیک خصلتوں کا نام ہے اور نہ کافر کیونکہ وہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے۔ اگر وہ توبہ کے بغیر مر گیا تو مخلد فی النار ہو گا۔ صرف اتنی رعایت ہو گی کہ اسے کافروں سے ایک درجہ اوپر رکھا جائے گا۔

۵۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: معتزلہ کے ہاں تبلیغ دینی فریضہ ہے۔اسی اصول کی بناپر معتزلہ دور عباسی میں الحاد اور زنادقہ کے اس طوفان بدتمیزی کے خلاف سینہ سپر ہو گئے تھے جن میں اسلامی حقائق کو متزلزل کیا تھا۔عقائد کے بیان میں معتزلہ نقل کی بجائے عقل پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔[19]

معتزلہ پر خارجی عوامل کا اثر

معتزلی عقائد اور اصول کی تشکیل میں دو عوامل سب سے اہم ہیں۔

ا۔یونانی فلسفہ

یونانی فلسفہ سے تاثر ان مناظروں سے معلوم ہوتا ہے جن سے معتزلہ اسلام کے دفاع میں استدلال کرتے تھے۔معتزلہ کے ان فلسفیانہ رجحانات کے محرک دو امور تھے۔

الف : معتزلہ یونانی فلسفہ سے اپنی علمی پیاس بجھاتے اور فلسفہ کے بل بوتے پر ان کے پیش کردہ دلائل میں جان آتی اور استدلال میں زور پیدا ہوتا۔

ب : فلاسفہ جب اسلامی اصولوں پر حملہ کرتے تو معتزلہ فلسفیانہ دلائل سے اسلامی عقائد کے دفاع کا فریضہ ادا کرنے کے لئے بحث اور مناظرہ کرتے اور انہی کے طور طریقے استعمال کرتے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ یونانی فلسفہ سے متاثر ہوئے بغیر بھی نہ رہ سکے۔نتیجہ یہ نکلا کہ بعض باتوں میں اپنے ہی لوگوں کے ساتھ الجھ گئے۔ان مابہ النزاع مسائل میں ایک مسئلہ مرتکب کبیرۃ کے کفر وایمان کا بھی تھا۔

۲۔ملحدوں، دہریوں اور زنادقہ کے ساتھ مناظرے

یونانی فلسفہ کی طرح معتزلہ ان باطل مذاہب کے ساتھ مناظروں میں ایک دوسرے کے طور طریقوں سے اثر لیتے تھے۔جو کہ نظریہ اعتزال کی تشکیل میں ایک لازمی عنصر تھا۔

معتزلہ کے ساتھ اہل سنت کی مخالفت کے اسباب

(ا) دین اسلام کے بنیادی عقائد کو سمجھنے میں معتزلہ نے سلف صالحین کا راستہ چھوڑ کر الگ راستہ اختیار کیا۔سلف صالحین فہم عقائد کے لیے صرف آیات قرآنی اور احادیث رسول ﷺ پر یقین کرتے تھے جو اپنے مدلول میں واضح تھے۔اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو فتنے سے دور رہتے اور توقف سے کام لیتے تھے۔غلط راستہ اختیار کرنے سے گریز کرتے۔

اس کے برعکس معتزلہ نے ہر معاملہ میں عقل کی رہنمائی تسلیم کی اور اس کو بحث ومباحثہ کا اساس بنایا۔ ان کی عقل پرستی اس حد تک بڑھ گئی کہ وہ فقہاء کے لئے ناقابل برداشت تھی۔

(۲) دوسری وجہ جس نے اہل سنت کو معتزلہ کے خلاف کھڑا کر دیا وہ عباس خلفاء کی اعتزال نوازی تھی جس کی پاسداری میں وہ اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ لوگوں کو زبردستی معتزلہ بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر فقیہ و محدث عباسی خلفاء کے ظلم وستم کا نشانہ بنتا۔ ان کی مظلومیت کو دیکھ کر عام لوگوں کی ہمدردیاں فقہاء اور محدثین کے ساتھ ہوگئیں۔

(۳) معتزلہ آج کل کے متجددین اور روشن خیالوں کی طرح فقہاء پر زبان درازی کرتے تھے۔ انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ پر تہمت لگائی جس کا ردعمل یہ ہوا کہ فقہاء اور محدثین نے بھی معتزلہ کے خلاف فتوے دینے شروع کئے۔ معتزلہ نے خلق قرآن میں ہارون اور مامون کے دور حکومت میں بڑے بڑے فقہاء اور آئمہ حدیث کو اس لئے تکلیفیں دیں کہ وہ قرآن کو مخلوق نہیں سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ مسئلہ ایمانیات میں سے نہیں تھا جس کے انکار کی بنا پر کسی کو قید وبند کی سزا دی جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور ان کے شاگردوں نے اعتزال اور علم کلام دونوں کی تشنیع کی، حالانکہ معتزلہ، فقہاء اور محدثین کا مقصد حمایت دین تھا۔

کبیرہ کی تعریف اور تحدید

کبیرہ کی تعریف میں علمائے اصول کے مختلف اقوال ہیں لیکن یہ اختلاف بڑی حد تک لفظی ہے کیونکہ سب کا محور ایک ہے مثلا۔

(۱) ہر وہ کام جس سے شارع منع کرتا ہو۔

(۲) ہر وہ کام جس کے کرنے سے اللہ کی معرفت کا باب بند ہو جائے۔

(۳) ہر وہ کام جس کے کرنے پر دنیا میں حد اور آخرت میں آگ، لعنت یا غضب وغیرہ کی وعید آئی ہو۔

مؤخر الذکر تعریف کی رو سے مندرجہ ذیل کام کبیرۃ کے زمرے میں آتے ہیں۔ شرک، قتل، زنا، سحر، چوری، تہمت لگانا، میدان جنگ سے بھاگنا، مال یتیم کھانا، سود کھانا، والدین کی نافرمانی، جھوٹی گواہی، یمین غوس وغیرہ۔[20]

مرتکب کبیرہ کے بارے میں معتزلہ کے مستدلات

مندرجہ ذیل چند ظاہر نصوص پر اعتبار کر کے معتزلہ مرتکب کبیرۃ کے مخلد فی النار ہونے کے قائل ہیں۔

۱. لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهْوَ مُؤْمِنٌ [21]

"زانی زنا کے دوران مؤمن نہیں ہوتا۔۔۔"

۲. الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلاَةُ ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ[22]

"ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز کا ہے جس نے اس کو ترک کیا اس نے کفر کیا"۔

۳. من غش فليس منا۔[23]

"جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں"۔

۴۔"**لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ**"[24]

"وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو"۔

"**إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ** کے تحت ابن جریر لکھتے ہیں:

"**وقد أبانت هذه الآية أن كل صاحب كبيرة ففي مشيئة الله، إن شاء عفا عنه، وإن شاء عاقبه عليه، ما لم تكن كبيرة شركا بالله**"[25]

"آیت اس بارے میں واضح ہے کہ مرتکب کبیرۃ کو اگر اللہ چاہے تو معاف فرمائے گا یا پھر اس کا معاقبہ کرے جب تک مرتکب کبیرۃ نے شرک نہیں کیا ہو"۔

توبہ ترک کا قائم مقام ہے۔ اس کا اصل رجوع ہے۔ لفظ توبہ میں عبد اور رب دونوں مشترک ہیں۔ جب اس کی نسبت عبد کی طرف ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ عبد نے اپنے رب کی طرف رجوع کیا۔ اس وقت کہا جاتا ہے: تاب الى ربه۔ جب اس کی نسبت رب کی طرف ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ رب نے اپنے عبد پر فضل اور رحمت کے ساتھ رجوع کیا۔ اس وقت کہا جاتا ہے: تاب على عبده۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفت تواب کا تقاضا یہ ہے کہ عبد توبہ کرے اور رب قبول کرے۔[26]

1. حقیقت یہ ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ شفاعۃ النبی ﷺ امت کے صرف صالحین کے رفع درجات کے لئے نہیں بلکہ امت کے اہل الکبائر کی مغفرت کے لئے بھی ہے۔ اور اس پر دلیل آپ ﷺ کے یہ احادیث ہیں۔

"**شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي**" [27] "میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے"۔

2. "**لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا**"[28]

"ہر نبی کی ایک دعا قبول کی جاتی ہے، ہر نبی اس کے معاملے میں جلدی کی اور میں نے اپنی یہ دعا قیامت میں اپنی امت کی شفاعت کے لئے رکھی ہے۔ اور اس سے میرا ہر وہ امتی مستفید ہو گا جو اس حالت میں فوت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا"۔

اہل سنت والجماعت کا مذہب اور مستدلات

اہل سنت والجماعت کے نزدیک اهل القبلة کو کافر کہنا جائز نہیں۔ اهل القبلة سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز میں اور ذبح کے دوران خانہ کعبہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ اسلامی شعائر کے ساتھ التزام رکھتے ہیں۔ اگر اس سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے اور وہ اس کی حلت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو تو وہ عاصی اور ضعیف الایمان ہے۔ اس پر وہ مخلد فی النار نہیں ہوگا۔ اس پر دلیل آپ ﷺ کی یہ احادیث ہیں:

1. "لَمْ يُصِرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ اللهَ، وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً"[29]
"وہ شخص گناہ پر اصرار کرنے والا نہیں، جو استغفار کرتا ہے اگرچہ روزانہ ستر مرتبہ دہرائے"۔
2. "كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ نَفْسًا۔۔۔فَقَبَضَتْهُ مَلائِكَةُ الرَّحْمَةِ"[30]

"پچھلی امتوں میں سے ایک شخص نے ننانوے قتل کئے تھے۔ اس کے بعد اس نے پوچھا کہ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ کسی نے ایک راہب کے بارے میں بتایا۔ اس کے پاس آکر بتایا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں، کیا قاتل کا توبہ قبول ہو سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ چنانچہ اس کو بھی قتل کر کے سو پورے کر دیئے۔ اس نے پھر روئے زمین پر کسی بڑے عالم کے بارے میں پوچھا۔ اسے کسی عالم کے بارے میں بتایا گیا۔ وہ اس کے پاس آکر کہنے لگا: میں نے پورے سو قتل کئے ہیں، کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش موجود ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ اور توبے کے درمیان کون رکاوٹ بن سکتا ہے؟ فلاں علاقے میں جاؤ، وہاں پر نیک لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ تم بھی کرو۔ اور جس سرزمین پر آپ پہلے رہتے تھے، وہاں واپس نہ جاؤ۔ تو وہ ان نیک لوگوں کی زمین کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی آدھا فاصلہ طے کیا تھا کہ اس پر موت آ گئی۔ اس کی روح قبض کرنے کے لئے رحمت اور عذاب دونوں کے فرشتے حاضر ہوئے۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا: اس نے توبہ کر کے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اور عذاب کے فرشتوں نے کہا: اس نے کبھی خیر کا کام کیا ہی نہیں۔ اس وقت انسانی شکل میں ایک فرشتے نے آکر ثالثی کرتے ہوئے بتایا کہ دونوں کی طرف زمینوں کا اندازہ لگاؤ، جس طرف نزدیک پایا گیا وہی فرشتے اس کی روح قبض کریں۔ جب انہوں نے قیاس کر کے اندازہ لگایا تو اس کو ایک بالشت بھر نیک لوگوں کی زمین کے قریب پایا اور اس طرح رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی"۔

3. "**یَاعِبَادِی إِنّی حَرَّمتُ الظُّلمَ۔۔۔فَلاَیَلُو مَنَّ إلاَنَفْسَهُ**"[31]

"اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کرنا حرام ٹھہرایا ہے اور تم پر بھی ایک دوسرے پر ظلم کرنا حرام ٹھہرایا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔ میرے بندو! تم سے رات دن غلطیاں ہوتی ہیں اور میں وہ ذات ہوں جو گناہ معاف کرتا ہوں اور پرواہ نہیں کرتا۔ میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے ان کے جن کو میں کھانے کے لئے دوں۔ پس مجھ سے کھانا مانگو، میں تمہیں کھلاؤں گا۔ میرے بندو! تم سب ننگے ہو مگر وہ جن کو میں لباس دوں۔ پس مجھ سے لباس مانگو، میں تم کو پہناؤں گا۔ میرے بندو! اگر تم سب اگلے پچھلے، انس و جن تم میں سب سے متقی آدمی کی طرح بن جاؤ تو میری حکومت میں کچھ اضافہ نہیں کرسکتے۔ میرے بندو اگر تم سب اگلے، پچھلے اور جن وانس تم میں سب سے فاجر آدمی کی طرح بن جاؤ تو میری حکومت میں کچھ کمی نہیں لاسکتے۔ میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، انس و جن سب ایک میدان میں جمع ہو کر مجھ سے سوال کرو، اور میں ہر ایک کو اس کی خواہش کے مطابق عطا کروں، تو اس سے میری بادشاہت میں اتنی کمی بھی نہیں آسکتی جتنا کہ تم میں کوئی شخص سمندر میں ایک سوئی کو ایک ہی غوطہ دے۔ میرے بندو! میں تمہارے اعمال کو تمہارے لئے محفوظ رکھتا ہوں۔ جس نے نیکی کی اسے اللہ کا حمد ادا کرنا چاہئے اور جس نے اس کے علاوہ کوئی کام کیا، تو وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرے"۔

نتیجہ

معتزلہ کا یہ قول باطل ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے، کیونکہ: بنیادی چیز ایمان ہے۔ ایمان کے ہوتے ہوئے اگر کسی شخص سے بہ تقاضائے بشریت کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر وہ مخلد فی النار نہیں ہوتا۔ اس کا توبہ قابل قبول ہے اور نبی کریم ﷺ کی شفاعت کبری کا مستحق ہے۔ بشرطیکہ اللہ تعالی کے ساتھ اس کی ذات، صفات اور صفات کے تقاضوں میں کسی کو شریک نہ بنایا ہو۔ اسی پر امت کے سواد اعظم کا اجماع ہے۔

حواشی

1 سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب افتراق الامم، رقم ۳۹۹۱۔

2 سورہ ہود: ۱۱۸، ۱۱۹۔

3 صحیح بخاری، کتاب الخمس، باب ماکان النبی ﷺ لیعطی المولفۃ قلوبھم، رقم ۲۹۸۱۔

4 الملل والنحل، ج۱، ص ۲۰۔

5 سورہ آل عمران: ۱۵۴۔

6 معارج القبول بشرح سلم الوصول، ج۳، ص ۹۵۴۔

7 سنن الترمذی، کتاب القدر، باب التشدید فی الخوض والقدر، رقم ۲۱۳۳۔

8 صحیح بخاری، کتاب القدر، باب اللہ اعلم بما کانوا یعملون، رقم ۶۲۲۶۔

9 سورہ النحل:۳۵۔

10 سورہ یس:۷۴۔

11 الملل والنحل، ج۱، ص۲۰۔

12 تخجیل من حرف التوراۃ والانجیل، ج۳، ص۳۳۔

13 ابو حذیفہ واصل بن عطاء (۸۰ھ۔۷۰۰ء۔۱۳۱ھ۔۷۴۸ء) بنو مخزوم کے مولیٰ تھے۔ حسن بصریؒ کے شاگرد تھے۔ اپنے استاد کے ساتھ مرتکب کبیرہ کے بارے میں اختلاف کر کے اعتزال اختیار کیا۔ اہل جمل (علی وعائشہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنھم) کی عدالت کے بارے میں توقف سے کام لیتے تھے۔ تصانیف میں اصناف المرجۃ، کتاب التوبہ اور المنزلۃ بین المنزلتین مشہور ہیں، سیر اعلام النبلاء، ج۵، ص۴۶۴۔ وفیات الاعیان، ج۶، ص۱۱۔ شذرات الذھب، ج۱، ص۱۸۳۔

14 ابو سعید حسن بن ابی یسار البصری (۲۱ھ۔۱۱۰) تابعی اور کثیر الارسال راوی ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کی سائی عاطفت میں رہے۔ ابو ہریرہؓ سے عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کے ساتھ لقاء ثابت نہیں۔ شیوخ میں زبیر بن عوام اور نعمان بن بشیر جبکہ شاگردوں میں ابان بن صالح اور ایوب السختیانی شامل ہیں۔ وفیات الاعیان، ج۲، ص۶۹۔ میزان الاعتدال، ج۱، ص۵۲۷۔ الاعلام، ج۲، ص۲۲۶۔

15 عبدالجبار بن احمد القاضی (۰۰۔۴۱۵ھ۔۱۰۲۵ء) کبار معتزلی ائمہ میں سے ہیں۔ معتزلہ ان کے سوا اور کسی کو قاضی القضاۃ کا لقب نہیں دیتے۔ ریٔ کے مقام پر وفات پائی اور اپنے گھر میں دفن کئے گئے۔ تنزیہ القرآن، الامالی اور تثبیت دلائل النبوہ کے مصنف ہیں۔ شیوخ میں علی بن ابراہیم اور عبدالرحمن بن حمدان جبکہ شاگردوں میں ابو القاسم التنوخی اور عبدالسلام القزوینی شامل ہیں۔

طبقات المفسرین، ج۱، ص۴۸۔ سیر اعلام النبلاء، ج۱۷، ص۲۴۴۔ الاعلام، ج۳، ص۲۷۳۔

16 سورہ الدخان:۲۱۔

17 اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین، ج۱، ص۳۹۔

18 تجسیم (Personification of God) ایک نظریہ ہے جس کی رو سے اللہ کے لئے جسم ثابت ہے حتی کہ اس کے ساتھ مصافحہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ عقیدہ رکھنے والے فرقے کو مجسمہ کہا جاتا ہے جو ایک غیر اسلامی فرقہ ہے۔

19 مقالات اسلامیین، ج۱، ص۲۷۸۔

20 شرح العقیدہ الطحاویہ، ج۱، ص۳۶۹۔

21 سنن النسائی، کتاب السرقہ، باب تعظیم السرقہ، رقم ۴۸۷۰۔

22 سنن النسائی، کتاب الصلاۃ، باب الحکم فی تارک الصلاۃ، رقم ۴۶۳۔

23 سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب النہی عن الغش، رقم ۲۲۲۴۔

24 صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ، رقم ۱۴۹۔

25 تفسیر الطبری، سورہ البقرہ، آیت ۴۸، ج۸، ص۴۵۰۔

26 تفسیر مفاتیح الغیب، سورہ بقرہ، آیت ۷۳، ج۳، ص۲۱۔

27 سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب الشفاعۃ، رقم ۴۷۳۹۔

28 صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اختباء النبی ﷺ دعوۃ الشفاعۃ لامۃ، رقم ۵۱۲۔

29 سنن ابی داود، کتاب الوتر، باب الشفاعۃ، رقم ۱۵۱۶۔

30 صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب قبول توبۃ القاتل وان کان اکثر قتلہ، رقم ۱۸۴۷۔

31 صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والادب، باب تحریم الظلم، رقم ۵۵۔

مصادر و مراجع

ابن خلکان، ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، تحقیق احسان عباس، دار صادر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۴ء۔

ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، السنن، تحقیق محمد فؤاد عبد الباقی، دار الفکر، بیروت، لبنان، سن طبع نامعلوم

ابو الحسین، علی بن اسماعیل، مقالات اسلامیین، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سن طبع نامعلوم۔

ابو الحسین، مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سن طبع نامعلوم۔

الاسفرائینی، طاہر بن محمد، التبصیر فی الدین، عالم الکتاب، بیروت، لبنان، ۱۴۰۴ھ. ۱۹۸۳ء۔

بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار ابن کثیر، یمامہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ.۱۹۸۷ء۔

ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، السنن، تحقیق احمد محمد شاکر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سن طبع نامعلوم۔

الحکمی، حافظ بن احمد، معارج القبول بشرح سلم الوصول الی علم الاصول، تحقیق عمر بن محمود، دار ابن قیم، دمام، سعودیہ، ۱۴۱۰ھ.۱۹۹۰ء۔

الحنفی، ابن ابی العز، شرح العقیدہ الطحاویہ، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ۱۳۹۱ھ.۱۹۷۱ء۔

الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، سیر اعلام النبلاء، تحقیق شعیب الارنوط، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، سن طبع نامعلوم۔

الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد، میزان الاعتدال، تحقیق علی محمد المعوض، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ.۲۰۰۰ء۔

الرازی، محمد عمر فخر الدین، اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۶ھ.۱۹۸۵ء۔

الرازی، محمد عمر فخر الدین، مفاتیح الغیب، (تفسیر کبیر) دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۱ھ.۱۹۹۰ء۔

الزرکلی، خیر الدین بن محمود، الاعلام، دار العلم للملائین، ۱۴۲۱ھ.۲۰۰۲ء۔

السجستانی، سلیمان بن اشعث، السنن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، سن طبع نامعلوم۔

السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، طبقات المفسرین، تحقیق علی محمد عمر، مکتبہ وھبہ، قاہرہ، مصر، ۱۳۹۶ھ.۱۹۷۶ء۔

الشہرستانی، محمد بن عبد الکریم، لملل والنحل، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۴ھ.۱۹۸۳ء۔

الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل القرآن (تفسیر الطبری) مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۰ھ.۲۰۰۰ء۔

عبد الحیٔ بن احمد، شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، تحقیق عبد القادر الارنوط، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۰۶ھ.۱۹۸۵ء۔

النسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب، السنن، تحقیق ابو الفتاح ابو غدہ، مکتب المطبوعات الاسلامی، حلب، لبنان، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء۔

الہاشمی، صالح بن حسین، تخجیل من حرف التوراۃ والانجیل، مکتبۃ العبیکان، ریاض، سعودیہ، ۱۴۱۹ھ.۱۹۹۸ء۔